خلق میں تدبر و مشاہدہ کی دعوتی افادیت (اردو تفاسیر کی روشنی میں)

Importance of Thinking and Observation in the Creation

(In the light of Urdu Exegeses)

Asjad Ali
Lecturer, Department of Islamic Thought and Civilization,
University of Management and Technology, Sialkot:
asjad.ali@skt.umt.edu.pk

Abstract

This article focusses that it is necessary to contemplate and meditate in the creation for the recognition and realization of deep comprehension of Divine Truth because through this engagement man gets certainty of results. Moreover, he gets ready to confess this fact that comes through surveillance. Human being is born in the nature of Islam. However, when man comes into this world, he suffers from social and environmental impacts. Sometimes the family and social impacts are so severe that they even divert him from his Creator. Furthermore, he becomes accustomed to accepting everything on the basis of observation and experience. The Qur'an adopted the method of contemplation and meditation in creation that has been discussed in this article in the light of Urdu exegeses. It can be concluded that the intellectual contemplation is a main faculty of human being which is virtuous activity and Allah (S.W.T) distinguished man from other creatures by this faculty. This faculty guides man to reach the truth.

Keywords: Quran, Exegeses, Creation, Contemplation, Universe, Observations, Guidance

خلق(creation)اور خالق (creator)میں مناسبت کا احساس (perception/Sensibility)ہرانسان کے دل میں رہتاہے۔اسی لیے وہ اس حسّاس(Sensitive)رشتہ کی نزاکت (Delicacy) کو جاننے کی سعی کرتاہے۔اس جستجو(Curiosity)میں وہ مختلف ذرائع کااستعمال کرتاہے تاکہ وہ اپنے خالق ومالک تک رسائی حاصل کرسکے۔اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد وہ فوراًاس کے سامنے اس اس لیے بھی سربسجود ہوجاتاہے کہ اس نے اسے "لقد خلق الانسان فی احسن تقویم "[1]میں پیدا کیاہے۔خالق کی پہچان کاایک بہت بڑاذریعہ اس کی بنائی ہوئی مخلوق میں غوروفکرہے۔کائنات میں ہرشے کی موجودگی اپنے بنانے والے کی نشاندہی کرتی ہے۔انسان جس قدران چیزوں میں غوروفکرکرتاچلاجاتاہے اسی قدراس کے لئے ہدایت کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔غوروفکر کایہ عمل روزِاول سے چلاآرہاہے۔[2]خلق میں غوروفکراور تحقیقات نے نہ صرف انسان کے لیے دینی رہنمائی کی ہے بلکہ اس کی دنیوی زندگی کو بھی آسان بنادیاہے اس بات کاتذکرہ قرآن کریم کئی سو سال پہلے کر چکاہے۔[3]خلق میں تدبر ومشاہدہ کی اہمیت کے لیے اس طرح کی سینکڑوں آیات کی موجودگی اس کی بہت بڑی دلیل ہے اور قاری سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے گردوپیش رونماہونے والے واقعات اور حوادثاتِ عالم سے باخبر رہنے کے لیے تدبر و تفکر سے کام لے تاکہ وہ کائنات میں چھپے رازوں کو جان کر خالق کائنات کی جانب متوجہ ہو جس نے ان چیزوں کوپردے میں رکھ کراسے غوروفکر کاموقع دیاہے۔عصر حاضر میں تدبر ومشاہدہ کی اس ضرورت کوہر شعبہ میں محسوس کیاجارہاہے۔انسانی زندگی میں سب بڑی ضرورت روحانیت کی معراج اور تسکین ہے، جس کے لیے مفسرینِ قرآن نے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں جو ہر افتادہ طبع کے انسانوں کے لیے ہدایت کاوافر سامان مہیاکرتی ہیں۔خلق میں تدبر ومشاہدہ کی اہمیت واِفادیت کو جاننے کے لیے کتبِ تفسیر کامطالعہ بھی بہت اہمیت کاحامل ہے۔ذیل میں تدبر فی الخلق کامعنی ومفہوم،قرآنی حکم اوراس کی دعوتی اِفادیت کاجائزہ لیاجائے گا۔

---

1 ۔سورہ التّین،4:95

2۔سورۃالانعام،75:6تا81

3۔سورۃ النحل،8:16۔ابوالاعلیٰ مودودیؒ{1903ء۔ 1979ء} "وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ"کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :اللہ تعالیٰ نے بکثرت ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جوانسان کی بھلائی کے لیے کام کررہی ہیں اور کسی کوعلم تک نہیں ہے کہ کون کونسی چیزیں اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں" تفسیر تفہیم القرآن،ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2011ء،ج:2، ص:527

تدبر کا مفہوم

تدبر کا معنی غور وفکر کرنا اور حقیقت دریافت کرنا کے ہیں جیسا کہ احمد مختار لکھتے ہیں:۔ تدبر الامر/تدبر فی الامر: تامّله و تفکر فیه علی مهل،و نظرفی عاقبته،تدبر امره بنفسه۔[4] غور وفکر کرنا ، تفکر کرنا، تعقل سے کام لینا، حقیقت دریافت کرنا، سوچ وبچار، غور وخوض۔اسی طرح المناوی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:النظر فی دبر الامور ای عواقبها وهو قریب من التفکر الا ان التفکر تصرف بالنظر فی الدلیل والتدبر تصرفه بالنظر فی العواقب التدقیق اثبات المسالة بدلیل دق طریقه لناظریه[5]"اشیاء کے پس منظر میں غور وفکر کرنااور یہ {تدبر} تفکر کے قریب قریب ہے مگر تفکر دلیل کے ساتھ غور وفکر کرناہوتاہےاور تدبر دلیل کے ساتھ کسی مسئلہ کو باریک بینی سے ثابت کرنا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ تدبر غور وفکر اور سوچ بچار اور تحقیق و تفتیش کا نام ہے اور فکر وہ طاقت ہے جو علم کو معلوم راستہ دکھاتی ہے اور یہ قوت صرف اور صرف انسان میں پائی جاتی ہے کہ وہ غور وفکر کرکے کائنات کے مخفی و سر بستہ راز کو جان سکے۔

تدبر ومشاہدہ کا بنیادی مقصد

قرآن کریم کائنات(universe)میں غور وفکر کا حکم اس لیے بھی دیتا ہے کہ انسان اپنے خالق،اس کے وجود،اس کی توحید اور اس کی قدرت کاملہ کے شواہد اور دلائل حاصل کرکے راہِ راست اختیار کرلے۔ خلق میں تدبر و مشاہدہ، غور وخوض اور تفکر اس لیے بھی لازم ہے کہ یہ خالق کا حکم ہے۔اس کے بغیر انسان کی سوچ کے دروازے نہیں کھلتے اور اگر یہ دروازے بند رہیں اور ان پر تالے لگے رہیں تو تاریخ انسانی اندھیروں میں کھوئی رہے۔

قرآن کریم میں جہاں مومنین کی دیگر صفات کا ذکر ہوا ہے وہیں ان کی یہ صفت بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ خلق یعنی(علمِ تخلیقیات۔Cosmology)میں تدبر و مشاہدہ کرتے ہیں،قرآن کریم کی آیت کا مفہوم ہے"اللہ کے

4احمد مختار، عبدالحمید عمر{1933ء۔2003ء}، معجم اللغة العربية المعاصرة، عالم الکتب، الطبعۃالاولی ،1429ھ ۔2008ء ،ج:1 ،ص:720

5۔المناوی، محمد عبدالروف{952ھ۔1031ھ}، التوقیف علی مھمات التعاریف،دار المعاصر،دار الفکر،بیروت، دمشق ،1410ھ ،ص:167

بندے ہر حال میں کائنات میں غوروفکر کرتے ہیں"[6] مومنین کا غوروفکر بھی عبادت ہے کیونکہ اس غوروفکر کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا یقین ہے جو دونوں جہاں میں اسے حاصل ہے۔

تدبر و تفکر کا قرآنی حکم

تدبر و تفکر میں قابل غور بات یہ ہے کہ غوروفکر کیسے؟اور کس لیے ہو؟کہ قرآنی حکم کی حکمتیں پوری ہو جائیں۔اس کے لیے قرآن کی ان آیات پر غوروفکر کرنے کی ضرورت ہے جہاں یہ حکم دیا گیا ہے، جیسے فرمایا: کِتابٌ اَنْزَلْناهُ اِلَیْکَ مُبارَکٌ لِیَدَّبَّرُوْا ایاتِهٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اوُلُوا الْاَلْبابِ[7]"**یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے تیری طرف** نازل کیا ہے، بہت بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غوروفکر کریں اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں "اور اسی طرح فرمایا: اَفَلا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرآنَ اَمْ عَلی قُلُوبٍ اَقْفالُها[8]"تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں"۔قرآن کریم نے جمود(Inactivity) کے شکار لوگوں کو ایک ایسی تحریک دی جو کسی اور کتاب نے نہیں دی ۔

قرآن کریم نے سب سے پہلے اپنی ذات پر تدبر و تفکر کا حکم دیا ہے،اس غوروفکر کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب تک کئی لوگوں پر اس کی حقانیت آشکار ہو چکی ہے جسکی بدولت وہ مشرف باسلام ہو چکے ہیں۔قرآن کریم نے تدبر و مشاہدہ کے لیے دوسرا حکم یہ دیا کہ انسان خلق میں غوروفکر کرے، جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 190-191 میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ خلق میں غوروفکر کرتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اے ہمارے رب کائنات کی کوئی چیز تو نے بے کار پیدا نہیں کی۔

اس حکم نے یہ واضح کر دیا کہ خلق میں تدبر و مشاہدہ کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان راہِ راست اختیار کر لیتا ہے اور جس خالق سے وہ ناآشنا و بیگانہ تھا اس ذات سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے اور ہر غوروفکر کے بعد بے ساختہ کہہ

6۔ سورہ آل عمران، 191:3

7۔ سورہ ص، 29:38

8۔ سورہ محمد، 24:47

اٹھتا ہے (رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً)[9]۔قرآنی کریم کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ تدبر و مشاہدہ انسانی ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم کی آیاتِ بینات نے یہ ثابت کر دیا کہ راہِ حق کے متلاشی کے لیے خلق میں تدبر و مشاہدہ خالق کائنات تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے اور انسان ایک ایسے مضبوط کنڈے (فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا[10] "تو یقیناً اس نے مضبوط کنڈا پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں") کو پکڑ لیتا ہے جو اس کو دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

دعوتی افادیت

موضوع زیر بحث چونکہ خلق میں تدبر و مشاہدہ کی دعوتی اِفادیت ہے اس لئے ذیل میں جائزہ لیا گیا ہے کہ اس تدبر و مشاہدہ کے دعوتی فوائد کیا حاصل ہوتے ہیں؟

ا۔ فکری ارتقاء

خلق میں تدبر و مشاہدہ کا پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان میں ایک ایسی تحریک پیدا کرتا ہے جس سے انسان کے غور و فکر میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے اور وہ ہر چیز کے بارے میں درست نظریہ قائم کرنے کے لیے غور و فکر کرتا ہے، جیسے فرمایا:

"کہہ تم دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ موجود ہے اور نشانیاں اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کے کام نہیں آتیں جو ایمان نہیں لاتے"[11]

زمین و آسمان کی تمام نشانیاں انسانی فکر کو اس آخری منزل تک لے جاتی ہیں جو خالقِ کائنات کی صورت میں سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ لیکن اس منزل مقصود کے حصول کے لئے شرط ہے کہ انسان تعصب اور ضد سے کام نہ لے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کسی بھی کام میں انسان کو اس کی منزل سے دور کر دیتی ہے، اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

9۔ سورہ محمد، 24:47 3 :191

10۔ سورۃ البقرہ، 256:2

11۔ سورہ یونس، 101:10

"جو لوگ غور وفکر کی بجائے ہٹ دھرمی، ضد اور تعصب سے کام لیتے ہیں ان کے لیے حسی معجزے بھی بیکار ثابت ہوتے ہیں وہ انہیں بھی دیکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو محض جادو کی کرشمہ سازیاں ہیں ان کے لیے نہ کوئی نصیحت کار گر ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت کا خوف انہیں ایمان لانے پر آمادہ کر سکتا ہے"[12]

یہ چیز تو ایک عام انسان کے مشاہدہ میں بھی رہتی ہے کہ تعصب اور ضد سے کام لینے والے ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں، دنیا میں بھی ترقی اسے ہی ملتی ہے جو ان چیزوں کو پس پشت ڈال کر جستجو کرتا ہے۔اس فکری ارتقاء کا نتیجہ (outcome) یہ نکلتا ہے کہ انسان نہ صرف اللہ کی توحید کا اقرار کرلیتا ہے بلکہ آخرت کی ابدی زندگی کو دل و دماغ میں بٹھا کر عمل صالح میں لگ جاتا ہے، یہی بات امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں کہ :"اس طرح کائنات کی قدرت وحکمت پر غور وفکر کرنے والا شخص نہ صرف خدا تک بلکہ اقرارِ آخرت تک خود پہنچ جاتا ہے"[13]

ایک عقل مند انسان اگر اللہ کی قدرت، اس کے خالق ہونے اور مختار کل ہونے کا پتہ لگانا چاہتا ہے تو کائنات کے نظام پر غور وفکر کرے کہ یہ نظام کس طرح چل رہا ہے۔تو یقیناً وہ کائنات کی ہر چیز کا مقصد سمجھ جائے گا اور اس بات کو یقین کرلے گا کہ خالق کائنات نے کوئی چیز بھی بے مقصد پیدا نہیں کی۔جب تخلیقِ کائنات کی مقصدیت کا علم حاصل کرلے گا تو یقیناً اسے اپنی زندگی کا مقصد خود بخود معلوم ہو جائے گا۔

۲۔ مقصود تک رسائی:

12۔ کیلانی، عبدالرحمٰنؒ {1928ء۔1995ء}، تفسیر تیسیر القرآن، ناشر: مکتبۃ السلام، سٹریٹ نمبر:20، وسن پورہ، لاہور، 1432ھ، ج:1، ص:325، مزید دیکھیں: ابوالاعلیٰ مودودی، تفسیر تفہیم القرآن، ج:2، ص:315

13۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا {1904ء۔1997ء}، تفسیر تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، ج:2، ص:228، اسی بات کو حسین علی رحمہ اللہ (1866ء۔1944ء) یوں بیان کرتے ہیں کہ :"یہ امور اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا اور اس پورے نظام کا نظم ونسق قائم رکھنے والا بڑا ہی مدبر، صنعت وحکمت میں فرد اور صفات وکمال میں واحد ویکتا ہے" تفسیر جواہر القرآن، مرتبہ: غلام اللہ خان {1909ء۔1980ء}، کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راولپنڈی، پاکستان، ج:1، ص:205

زمین وآسمان کی تمام نشانیاں انسانی فکر کو اس آخری منزل تک لے جاتی ہیں جو خالقِ کائنات کی صورت میں سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ پھر جو لوگ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر غور وفکر کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ یقیناً منزل کو پالیتے ہیں۔

قرآن کریم کی اتباع میں جب کوئی نکتہ شناس انسان قدرت خداوندی کے نیّراتِ عظام کے انتظام، جمادات، نباتات، حیوانات، ہوا، پانی، روشنی، موسمی تبدیلی، ہر مخلوق کا باہمی تعلق اور زندگی وموت کا بنظرِ غور مشاہدہ کرتا ہے تو اسے کائنات میں ایک ایسا نظم دکھائی دیتا ہے جو ایک خاص ڈیزائن میں مرتب کیا گیا ہے تو ایسے میں اس کی منزل اور بھی آسان ہو جاتی ہے کہ یقیناً اس سارے نظام کو چلانے والا بھی موجود ہے۔ اگر چلانے والا موجود نہ ہو تو یہ کائنات اس ترتیب میں نہ ہوتی اور اس کا نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہوتا۔ اسی بات کی طرف غلام وارث رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے کہ: "اس قادر مطلق نے ہر جزو کی حد بندی اس ڈھب پر کی ہے کہ کوئی چیز فضول، بے معنی یا باطل نہیں"[14]

کائنات کی چیز کا ترتیب میں ہونا خالقِ کائنات کی موجودگی کا احساس دلا رہی ہے۔ اسی احساس کو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: "یہ ہدایت کا پہلا قدم ہے کہ کائنات کو دیکھو، مظاہرِ فطرت کا مشاہدہ کرو"[15]

کائنات میں غور وفکر کے ساتھ عقل وفہم انسان کے لئے ہدایت کی راہ کو واضح کر دیتی ہے کائنات کی ایک ایک چیز میں اللہ کی توحید کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور یہی اصل مقصد ہے کہ انسان اللہ کی توحید کو پہچان سکے۔

14۔غلام وارثؒ {س۔ن}، تفسیر روح صدق، ناشر۔دین محمدی پریس المستقر، نیا مزنگ لاہور، پاکستان، ج:1، ص:301، مزید دیکھیں حسین علی کی تفسیر جواہر القرآن، ج:1، ص:205، تدبر ومشاہدہ کی اس اِفادیت کو محمد کرم شاہ الازھری رحمہ اللہ {1918ء۔1998ء} یوں بیان کرتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اہل علم کو کائنات میں فکر ونظر کی دعوت دی ہے۔ کیونکہ کارخانہ قدرت کی نیرنگیوں میں وہ جتنا غور وفکر کریں گے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت اور اسکے علمِ محیط اور حکمت کامل ہے پر انکا ایمان پختہ ہوگا اور یہ پختگی تقلیدی نہیں ہوگی بلکہ تحقیقی ہوگی" تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:306

15۔اسرار احمد، ڈاکٹر {1932ء۔2010ء}، تفسیر بیان القرآن، خیبر پختونخوا، انجمن خدام القرآن، A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر2، شعبہ بازار پشاور، 2013ء، ج:2، ص:110

۳۔اصلاح احوال

انسان کی اصلاح اس چیز کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ خلق میں تدبر و مشاہدہ کرنے کے بعد اپنی حیثیت کو دیکھے کہ اتنی بڑی کائنات میں اس کا (Status) کیا ہے ؟اس وسیع و عریض کائنات میں اس کی تخلیق کے پیچھے کیا حکمت و فلسفہ کارفرما ہے ؟ تو یقیناً وہ اپنی زندگی کے اصل مقصد کو پہچان جائے گا اور اپنے آپ کو خالقِ کائنات کی غلامی و بندگی میں پیش کردے گا۔یہیں سے اصلاح کا عمل شروع ہوتا ہے، جیسے فرمایا: قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ[16] "کہہ دے ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بہتر ہے" اور اسی طرح فرمایا: اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا[17] "اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں" اصلاح کا کام ہمیشہ انسان اپنے آپ سے شروع کرتا ہے اور اس کے بعد پورے معاشرے کی اصلاح کی فکر میں لگ جاتا ہے، اسی اصلاح کو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے کہ :

> "غور و فکر کے بعد ان کا ذہن اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں ؟ کیا میری زندگی بس یہی ہے کہ کھاؤ پیو، اولاد پیدا کرو اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ، معلوم ہوا کہ نہیں، کوئی خلا ہے۔انسانی اعمال کے نتیجے نکلنے چاہیں، انسان کو اس کی نیکی اور بدی کا بدلہ ملنا چاہیے، جو اس دنیا میں اکثر و بیشتر نہیں ملتا"[18]

انسان غور و فکر کا سفر طے کرتے ہوئے بالآخر اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے نتائج ملنے کا پورا یقین ہوتا ہے۔پھر جس قدر اس کا یقین مضبوط ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کی اصلاح کا عمل بڑھتا چلا جاتا ہے۔بالآخر تدبر و مشاہدہ کا یہ عمل انسان کو اللہ کے محبوب ترین بندوں میں شامل کردیتا ہے اور یہی انسانی معراج[19] کا آغاز و اختتام ہے۔

16۔سورۃ البقرہ،2:220

17۔ایضاً،2:228

18۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ، بیان القرآن، ج:2، ص:110-111

19۔اس سفر کو غلام وارثؒ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ :"جب یہ اولوالالباب علم کائنات سے بہرہ ور ہونے کے بعد کسی مبلّغ اسلام یا ریڈیو پر قرآن سنتا اور سمجھتا ہے تو اس کا سینہ ایمان سے معمور ہو جاتا ہے اور بے اختیار بول اٹھتا ہے خدایا ہم ایمان لے آئے" تفسیر روح صدق، ج:1، ص:301

۴۔عقائد کی پختگی

یہ حقیقت واضح ہے کہ فیصلہ و عزم کرنے اور مناسب و کارآمد کوشش کی بنیاد میں اہم ترین بات انسان کا غور و فکر کرنا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں غور و فکر کی دعوت و ترغیب کا حکم بار بار دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَى وَفُرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا[20]"کہہ دے میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ، پھر خوب غور و فکر کرو"

جب انسان تعصب اور عداوت کو چھوڑ کر سچائی میں کسی بھی چیز پر غور و فکر کرتا ہے تو اس پر سچائی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ ہر چیز سے آزاد ہو کر حقیقت پر غور و فکر کرے اور جب تک اسے اس حقیقت کا علم نہ ہو جائے تب تک یہ سفر رکنے نہ پائے۔لیکن اس شرط پر کہ وہ اپنے خالق سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہو یہ تو ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے اپنے بنانے والے کا علم ہو اور معلوم ہوتے ہی وہ اس کا شکر ادا کرے کہ جس نے اسے سب سے خوبصورت شکل میں بنایا ہے۔اسی خالق تک رسائی کا ذریعہ اللہ کا یہ رسول ہے جو تمہیں تمہارے خالق سے ملانا چاہتا ہے۔بلاوجہ اس پر دیوانگی کے الزام لگانے کی بجائے اس کی باتوں پر غور کرو کہ کبھی دیوانے بھی اس طرح کی باتیں کیا کرتے ہیں۔کیا وہ بھی دوسروں کی بھلائی کے اس قدر فکر مند ہوتے ہیں؟کیا ان کے دلوں میں بھی دوسروں کا درد ہوتا ہے؟کیا یہ بھی ماریں کھا کر دعا دیتے ہیں؟اس بات کو محمد اسلم صدیقی رحمہ اللہ اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ :

> "وہ کسی طرح تمہاری تباہی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اس لیے تمہاری تمام تر ناقدریوں دل آزاریوں ،ستم زانیوں کے باوجود تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے تاکہ تم دنیوی اور اخروی فوز و فلاح کے مستحق بن سکو"[21]

20۔سورہ سبا،46:34

21۔صدیقی، محمد اسلمؒ،ڈاکٹر{1932ء- 1998ء}، تفسیر روح القرآن،لاہور،ادارہ ھدی للنّاس،2011 ء،ج:9، ص:400، شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ غور و فکر کے ان نتائج کو سوالیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ؛اُسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ اُس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنالیا۔کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور اُن کی اُخروی فلاح اور دنیوی ترقی کا اتناز بردست لائحہ عمل پیش کر سکتا ہے۔وہ تم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے، قوموں کی تاریخیں سناتا

جب تم غور کروگے تو تمہیں خود یقین ہو جائے گا کہ وہ تمہیں اس فوز وفلاح کی طرف بلاتا ہے جس کی تمنا ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے۔تدبر ومشاہدہ ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو بخود حقیقت تک پہنچا دیتا ہے اور اللہ کے مبعوث کیے ہوئے اس آخری رسول کی دعوت ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس کی بات اس لیے ماننی ضروری ہے کیونکہ اس کی صداقت تو کائنات کی ہر چیز دے رہی ہے۔یہی بات سیّد مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "جو کچھ ان کا بھائی انہیں سمجھا رہا ہے اس کی صداقت پر یہ پورا نظامِ کائنات اور خلق اللہ کا ذرہ ذرہ شہادت دے رہا ہے"[22]

آج بھی قرآن ایسے لوگوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے جو محض اسلام دشمنی میں ہدایت سے دور ہیں۔ایک طرف تو یہی لوگ دنیاوی اور مادی ترقی کے لیے دن رات غور وفکر اور تدبر کرتے ہیں جبکہ دوسری جانب اسلام کی حقانیت ثابت ہو جانے کے باوجود ہدایت کی راہ اختیار نہیں کرتے۔

۵۔عمل کا جذبہ

فکری ارتقاء اور عقائد کی پختگی کا یقینی نتیجہ عمل صالح کا جذبہ ہے جس سے انسان نیکی کے ہر موقعہ کو حاصل کر کے عملی نیکیاں کماتا ہے اور دنیا وآخرت میں کامیابیوں کا حقدار بن جاتا ہے۔سائنسی تفاسیر میں دو اور دو چار کی طرح نیکی کا بدلہ بتا کر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا اور جدید مادی دور کے ہر شخص کو خوبصورت انداز میں ترغیب کے ساتھ ساتھ تسلی اور اطمینان بھی رہتا ہے اور اس انداز کا ذکر اللہ خود بھی کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:مَّثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ[23]"ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ

ہے، دلائل وشواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنھیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے"تفسیر عثمانی،ج:2،ص:939۔۔محمود حسن،شیخ الہند،مولانا{1851ء۔1920ء}،شبیر احمد عثمانیؒ{1885ء۔1949ء }،موضح فرقان معروف بہ تفسیر عثمانی،کراچی،مکتبۃ البشریٰ، 2009ء، ج:1، ص:30۔ نوٹ:یہ تفسیر دو مفسرین نے لکھی ہے سورۃ الفاتحہ سے سورۃ النّساء تک شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ نے کی اور سورۃ المائدہ سے سورۃ النّاس تک شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

22۔ابوالاعلیٰ مودودیؒ ، تفسیر تفہیم القرآن، ج:2، ص:105۔اسی طرح دیکھیں، تفسیر عثمانی،ج:1،ص:364

23۔سورۃ البقرہ،2:261

کرتے ہیں، ایک دانے کی مثال کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے"

اس آیت میں میتھ {Math} کی طرح نیکیوں میں اضافہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان اللہ کی رضا کے لئے ایک روپیہ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں کیسے سات سو گنا کر کے اس لوٹاتے ہیں۔ دل میں عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے پیر محمد کرم شاہ الازھری رحمہ اللہ اسے سائنسی انداز میں بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ:

"یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت و ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ یعنی جب یہ یقین ہو کہ یہاں ایک درہم خرچ کرنے سے سات سو درہم ملیں گے تو کونسا عقل مند ایسا ہو گا جو بصد خوشی اپنا سارا سرمایہ اس سودے میں نہیں لگا دے گا"[24]

انسان جب کامل یقین کے ساتھ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے تو اللہ اس کے بدلے میں دنیوی مال میں بھی برکت ڈال دیتا ہے اور اس کا مشاہدہ انسان خود کر سکتا ہے کہ جب ایک کسان زمین میں ایک دانہ ڈالتا ہے تو بدلے میں سات بالیاں اگتی ہیں اور پھر ہر بالی پر سو دانہ بنتا ہے، یہی مشاہدہ و تجربہ اسے اس بات پر بھی آمادہ کرتا ہے کہ جب وہ اللہ کی رضا کے لیے عمل صالح کرے گا تو اس کے بدلے میں اسے سینکڑوں گنا اجر و ثواب ملے گا جو اس کی دنیوی و اخروی زندگی کو چار چاند لگا دے گا۔

جو شخص اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا کچھ مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بدلے میں کئی گنا معاوضہ دیتا ہے اور یہی چیز اللہ کی فیاضی کا ثبوت کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کس قدر عطا کرنے میں سخی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس فیاض مندی کا ذکر غلام وارث رحمہ اللہ یوں کیا ہے کہ:

"اللہ کی فیاضی کا ثبوت زمین کا چپّہ چپّہ دے رہا ہے کہ ایک دانہ فوم زمین، کھیت کے سپرد کیجیئے اور اس کے بدلے ایک پورا پودا ثمر سے لدا ہوا لیجیئے، جس میں حسب استعداد سات سو گنا تک پھل ملے گا، یہی قانونِ مکافات عالمِ روحانی میں کار فرما ہے"[25]

24۔ الازھری، محمد کرم شاہؒ، پیر {1918ء-1998ء}، ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1995ء، ج:1، ص:184

25۔ غلام وارثؒ، تفسیر روح صدق، ج:1، ص:180

وہ انسان جو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کی کوشش میں رہتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت دونوں میں زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے جو دگنا و چوگنا ہو کر دنیا میں ملتا ہے اور آخرت میں سات سوگنا سے بھی زیادہ تک ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ انسان عقیدہ توحید و آخرت پر یقین رکھتا ہو۔

۶۔روحانیت اور حقائق کی تفہیم

روحانیت اور حقیقت دو الگ الگ باتیں ہیں روحانیت ما فوق الفطرت (Metaphysics) چیزوں کا نام روحانیت ہے جو حواس خمسہ سے ماوراء ہوتی ہیں جبکہ حقیقت وہ ہے جو حواس خمسہ کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ان دونوں کی تفہیم انسان کو نتیجے کی فکر مہیا کرتی ہے۔پھر یہی فکر اسے کامیابی کی ترغیب دلاتی ہے، جیسے فرمایا: "أَوَلَمْ یَرَ الَّذِینَ کَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ أَفَلَا یُؤْمِنُونَ"[26] "اور کیا جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہیں دیکھا کہ سارے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں پھاڑ کر الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی، تو کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے"

ابتداء میں اس کائنات میں کچھ نہیں تھا زمین و آسمان بھی آپس میں جڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالی نے انہیں پھاڑ کر الگ الگ کر دیا اور پھر اس کے بعد پانی سے ہر چیز کی تخلیق فرمائی۔زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنا کر بھی انسان کو حقیقت تک رسائی کا موقع فراہم کر دیا کہ اگر صرف زمین ہوتی اور اس پر آسمان نہ ہوتا تو زمینی زندگی ممکن نہ تھی ،اب تو سائنسی تحقیقات بھی یہ بتا رہی ہیں کہ o-zone Layer کی چھتری نے پورے کرہ ارض کو ڈھانپ رکھا ہے یہ چھتری ہی سورج کی مضر شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکتی ہے اور اسی طرح زمین کے اوپر کرہ ہوائی بھی ہمیں تحفظ فراہم کرتی ہے۔یہی بات ڈاکٹر اسرار احمد نے بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ :

"ہماری فضا {زمین کے اوپر کرہ ہوائی} بھی حفاظتی چھت کا کام دیتی ہے۔خلا میں تیرنے والے چھوٹی بڑی جسامتوں کے بے شمار پتھر {یہ پتھر یا پتھر نما ٹھوس اجسام مختلف ستاروں یا سیاروں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں ہر وقت خلا میں بکھرے رہتے ہیں} جب کرہ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی تیز رفتاری کے سبب ہوا کی رگڑ سے جل کر فضا میں ہی تحلیل ہو جاتے ہیں اور یوں زمین ان کے نقصانات سے محفوظ رہتی ہے"[27]

26۔سورۃ الانبیاء، 21 : 30

27۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ ، تفسیر بیان القرآن، ج:5، ص:85

سورۃ البقرہ میں اللہ نے آسمان کو چھت قرار دیا تو یقیناً چھت کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ انسان کو تحفظ فراہم کرے۔ آج سائنس دان اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کے کے آسمان کی وجہ سے انسان کئی طرح کے نقصانات سے بچا ہوا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی اس کتاب کی دعوت قبول نہیں کرتا تو یہ اس کی بد قسمتی ہے۔ یہاں ایک اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ نے آسمان کے چھت ہونے کے ساتھ اس کا ایک فائدہ یہ بھی بتایا کہ جس پانی کی وجہ سے زمینی زندگی قائم ہے وہ پانی بھی آسمان سے ہی اتارا گیا ہے۔ حالانکہ پانی تو زمین سے نکلتا ہے یا پھر بارش سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن سائنس آج اس بات کو تسلیم کر رہی ہے کہ لاکھوں ٹن پانی ہر سال برفانی شہابِ ثاقب کی شکل میں نازل ہوتا ہے اور زمین میں جذب ہو جاتا ہے، سائنسدانوں کی اس تحقیق کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سلطان بشیر محمود لکھتے ہیں کہ:

"ناسا(NASA) نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں یہ مشاہدہ کیا کہ آسمانوں کی طرف سے بہت بڑے بڑے برفانی تودے زمین کی طرف گرتے رہتے ہیں لیکن اس کی فضائی چھت کی رگڑ کی وجہ سے اوپر ہی بخارات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ یہ پانی زمین کی طرف پہنچتا ہے"[28]

یہ حقیقت اللہ تعالیٰ نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بیان کر دی اور انسان کو اس پر غور و فکر کی دعوت دی کہ وہ اس حقیقت کو جان کر اس بات کا یقین کر لے کے اس نظام کو ترتیب دینے والا کوئی موجود ہے۔ صدیاں بیت جانے کے بعد آج جدید علم تخلیقیات (cosmology)، علم فلکیات(astronomy) اور علم فلکی طبیعیات (astrophysics) کے ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کے کائنات کی تخلیق ایک اکائی سے ہوئی ہے۔ اسی طرح (Big Bang Theory) بھی اس نظریہ کی وضاحت کرتی ہے۔ آج سائنس دان یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کائنات ایک اکائی سے وجود میں آئی ہے لیکن یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہیں کہ اس اکائی کو توڑنے والا کون ہے؟۔ انسان اور ہر جاندار کی تخلیق پانی سے ہوئی، لیکن کیونکر ہوئی؟ اس کا جواب ملنے کے بعد بھی کئی لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہ بات تجربات سے ثابت ہو چکی ہے کہ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا ہے، جیسے پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"تو جو ذات ایک قطرہ آب سے انسان کو پیدا کر سکتی ہے اور اس کے سفینہ حیات کو زندگی کے متلاطم سمندر سے گزار کر موت کے ساحل پر لنگر انداز کر دیتی ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ پھر وہ تمہیں زندہ کر دے"[29]

28۔ سلطان بشیر محمود، ڈاکٹر {1940ء۔}، کتاب زندگی، اسلام آباد، ریسرچ فاؤنڈیشن، 2010ء، ص:69

29۔ محمد کرم شاہؒ، ضیاء القرآن، ج:3، ص:200

قرآن کریم کے مزید مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب یہ کہکشائیں الگ الگ ہوئیں تو اس وقت آسمان ایک دھواں کی شکل میں تھا، یہ سورج، چاند ستارے نہ تھے پھر اللہ کے حکم سے نظام فلکی ترتیب پایا، جیسا کہ قرآنی آیت کا مفہوم ہے:[30]

پھر اللہ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی وہ اس وقت دھویں کی صورت میں تھا تو اسے یعنی آسمان اور زمین دونوں سے کہا تمہیں ہر حال میں میری اطاعت کرنا پڑے گی تو ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اس آیت میں قرآنِ کریم اس سائنسی حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے کہ کائنات کا تمام سماویِ مواد آغاز میں گیسی بادلوں {یعنی دھواں} کی شکل میں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سارے نظام فلکی کو ایک متوازن طریقے سے ترتیب دیا، جس کے نتیجہ میں اربوں کہکشائیں اور پھر ان کہکشاؤں میں موجود کھربوں انفرادی نظاموں کو وجود ملا۔ سائنسدانوں کے اسی اقرار کا ذکر غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ نے یوں کیا ہے کہ:

"بگ بینگ" کے مطابق یہ دنیا آغاز میں بنیادی ستاروں کا جھرمٹ تھی۔ اس کے بعد ثانوی علیحدگی انجام پائی جس کے نتیجے میں کہکشاں عمل میں آئیں۔ اس کے بعد ستاروں، سیاروں، سورج وغیرہ کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ اس دنیا کا آغاز منفرد تھا اور اس کے اتفاقاً وجود میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"[31]

آج اگر انسان اس تھیوری کو سچ مانتا ہے تو پھر قرآن کی تھیوری کو کیوں نہیں جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے بیان ہو چکی ہے۔ مصنف کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ کائنات کا آغاز محض ایک حادثہ یا اتفاق نہ تھا بلکہ خالقِ کائنات نے اسے ایک خاص مقصد کے تحت تخلیق کیا ہے یہی وجہ ہے کائنات کی ان تمام چیزوں میں کہیں بھی ٹکراؤ نہیں ہے۔ جس دن نظام فلکی میں ٹکراؤ ہو گیا سب کچھ تباہ ہو جائے گا، اسی کا نام اللہ تعالیٰ نے قیامت کا زلزلہ رکھا ہے جس کا ذکر قرآن کے کئی مقامات پر ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد دوسری زندگی کا آغاز ہوگا جس کا نام آخرت کی زندگی اور ہمیشہ کی زندگی ہے، جیسے فرمایا:

30۔ سورہ حٰم سجدہ، 11:41

31۔ سعیدی، غلام رسولؒ 1937ء۔2016ء، تفسیر تبیان القرآن، لاہور، فرید بکسٹال 38-اردو بازار، الطبع التاسع: 2009ء، ج:7، ص:550، یہی بات ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے مزید تفصیل کے لیے دیکھیں، تفسیر بیان القرآن، ج:5، ص:84، عبدالرحمٰن کیلانیؒ، تیسیر القرآن، ج:4، ص:105

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُه ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ[32] "جس دن ہم آسمان کے کاتب کے کتابوں کو لپیٹنے کی طرح لپیٹ دیں گے۔ جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتداء کی اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے"

قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سلطان بشیر محمود یوں رقمطراز ہیں کہ:

"پس یہ قانون فطرت ہے کہ کسی بھی چیز کو دوام نہیں ہے یہ تھرموڈائنامکس کے مفروضہ کے عین مطابق ہے کہ انٹراپی (سسٹم کا بگاڑ) دن بہ دن بڑھ رہا ہے آخر کار ربط کو بے ربط ہونا ہے ہر وہ چیز جو شروع ہوتی ہے ایک دن ختم ہو جائے گی۔[33]

عصر حاضر کی سائنسی تحقیق بھی اس نتیجہ تک پہنچ چکی ہے کہ کائنات میں موجود اشیاء تباہی کی طرف گامزن ہیں اور کسی وقت بھی کائنات تباہ ہو سکتی ہے حتی کہ دو سیاروں کے ٹکرانے سے بھی یہ تباہی ہو سکتی ہے[34]۔ یہیں سے روحانیت کا سفر شروع ہوتا ہے۔ روحانیت کی معراج کے لئے قرآن کریم قیامت کی ہولناکیوں اور آخرت میں کامیاب ہونے والوں کے لئے بشارتوں کو اس قطعیّت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ انسان کے دل میں عقیدہ آخرت مضبوط ہو جائے کہ اس نے لازمی طور پر اپنے خالق سے ملاقات کرنی ہے۔ اور یہ مضبوطی خلق میں تدبر و مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تدبر و مشاہدہ کی اسی اِفادیت کو بیان کرتے ہوئے عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "ساری نیکیوں کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ عقیدہ آخرت محض ایک نظریہ یا وہم و گمان کی طرح نہ رہے، بلکہ خرم کامل و وثوق کے ساتھ، دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور قال حال بن جائے"[35]

ایک موسم کے بعد دوسرے موسم کا آنا کہیں بے آباد زمین کا آباد ہونا اور پھر اس کا بنجر ہونا اور کہیں پانی سے فصل کا اگنا اور پھر اللہ نے انسان کی پہلی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے مثال دی کہ جس طرح انسان پہلی بار پیدا ہوا تھا اسی

32۔ سورۃ الانبیاء، 104:21

33۔ سلطان بشیر محمود، کتاب زندگی، ص:427

34۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اسی نظام کے اندر موجود کرّے آپس میں ٹکرائیں گے" تفسیر بیان القرآن، ج:5، ص:109

35۔ دریابادی، عبدالماجدؒ {1892ء-1977ء}، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن، 1-کے-3 ناظم آباد، کراچی، 1998ء، ج:3، ص:337

طرح دوبارہ بھی پیدا ہو گا۔اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اس لیے اس کی عدالت میں پیش ہونے سے پہلے پہلے اللہ کی وحدانیّت کا اقرار اور آخرت پر ایمان لا کر اعمال صالح کر لینے چاہیں تا کہ انسان اللہ کی رحمت کا مستحق بن کر آخرت کی ابدی زندگی پر سکون گزار سکے، جیسے فرمایا: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[36] "ہم نے کہا سب کے سب اس سے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آ جائے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی سوان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔اور جنہوں نے کفر اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں"

آنے والی کسی بھی چیز سے ڈر کا نام خوف ہے اور ہاتھ سے نکل جانے والی کسی چیز پر غم کا نام حزن ہے۔یعنی جو لوگ اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی پیروی کریں وہ آخرت میں دنیا کی زندگی پر افسوس نہیں کریں گے اور نہ ہی قیامت کے دن کسی بڑی گھبراہٹ سے انہیں کوئی غم ہو گا۔پھر اس ساری جزا اور سزا کا تعلق بھی اللہ کے ساتھ ہے وہ کس کو کتنی جزا دیتا ہے اور کس کو کتنی سزا دیتا ہے۔عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت یوں کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"نیکی کی جزا اور بدی کی سزا دینا کلیتاً اللہ کے اختیار میں ہے بھلائی پر انعام کا طبیعی نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کا فضل ہے۔وہ چاہے تو دے چاہے تو نہ دے اور چاہے تو کئی گنا زیادہ دے دے۔اسی طرح وہ چاہے تو کسی کا گناہ معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے دے۔وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔لہٰذا ان صفات کے مطابق وہ سب کچھ کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے"[37]

اس واقعہ میں روحانیت اور حقیقت کی تفہیم اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا زمین کے لیے کیا لیکن اس کو رکھا جنت میں، پھر جب ان سے غلطی ہوئی تو انہیں زمین پر اتار دیا، آدم علیہ السلام کا یہ امتحان تھا اور اس امتحان میں بھی ایک حکمت تھی کہ انسان کو دنیا کی زندگی میں ہر طرح کے امتحان سے گزرنا پڑے گا

36۔ سورۃ البقرہ، 38:2

37۔عبد الرحمٰن کیلانیؒ، تیسیر القرآن، ج:1، ص:69

، جس میں کامیابی کا لازمی نتیجہ جنت کی صورت میں ہوگا۔ پھر جنت اس کے لیے جو اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اور جو اس ہدایت کی پیروی نہیں کرے گا اس کے لیے جہنم ہوگی۔

۷۔ سیرت و کردار کی پختگی

انسان جب روحانی کامیابیوں کی طرف سبقت لے جانے اور دوڑ لگانے لگتا ہے تو انسان سیرت و کردار میں دوسروں کے لیے نمونہ بن جاتا ہے اور سائنس بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "البتہ تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے"}[38] کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم {فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا"[39] پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے") کا نمونہ بھی تسلیم کیا گیا اور اسی معیار پر ہر دور کے علماء وسچے مومنین کو بھی نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا رہا، اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ساتھ عملی نمونہ جات کی اہمیت بھی مسلمہ رہی، جیسے فرمایا:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ[40] "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔"

اس آیت میں اس بات کا ردّ ہوا ہے کہ جو لوگ فخر و عزت کا معیار مال و دولت، حسب و نسب اور قوم کی سرداری کو سمجھتے ہیں اور غریب کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں حقیر جانتے ہیں ان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ایسی چیزیں انسان میں کبر و غرور پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں، اس بیماری کو پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جو متمدّن اور شائستہ قومیں آباد تھیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھیں"[41]

38۔ سورۃ الاحزاب، 21:33

39۔ سورۃ البقرہ، 137:2

40۔ سورۃ الحجرات، 13:49

41۔ محمد کرم شاہؒ، ضیاء القرآن، ج:4، ص:559

اس نسلی اور ملکی تفاخر کے اثرات آج بھی دنیا کی بڑی بڑی جمہوری اور تہذیب یافتہ قوموں میں موجود ہیں۔امریکہ میں گورے کالے کا فرق اور ہمسایہ ملک بھارت میں ذات پات اور طبقاتی امتیازات کا پایا جانا دورِ جاہلیت کے تفاخر کی عکاسی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق انسان کی سیرت و کردار میں نکھار اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب وہ تقوٰی اختیار کرتا ہے۔جب انسان اللہ سے ڈرنے والا بن جاتا ہے اور ہر طرح کے گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے، تو ایسا انسان ہی معاشرہ میں عزت دار سمجھا جاتا ہے اور اللہ کی نظر میں بھی عزت و شرف کا حق دار ٹھہرتا ہے، جیسا کہ محمد اسلم صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس کی بنیاد صرف حُسنِ کردار، کمالات کی بلندی اور تقوٰی پر ہے۔جو شخص جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا، برائیوں سے بچنے والا اور نیکی اور پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا اور علم عمل میں کمالات کا حامل ہو گا ،اتنا زیادہ عزت کا مستحق سمجھا جائے گا"[42]

لیکن یہ ساری عزت اسی وقت ہے جب انسان اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔اب اس مقام تک پہنچنے کے لیے اس کے سامنے جو ماڈل ہیں جن کی زندگی کو سامنے رکھ کر یہ اپنے آپ میں بہتری لا سکتا ہے وہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن نے آئیڈیل قرار دیا ہے۔

۸۔رجوع الی اللہ

خلق میں تدبر ومشاہدہ کا ایک لازمی نتیجہ ہوتا ہے اور وہ ہے کائنات کے خالق سے رجوع، جیسے فرمایا:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ[43] "وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں،اے ہمارے رب تو نے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا،تو پاک ہے،سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا"

غور وفکر کے بعد انسان کا ذہن اپنی ذات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور وہ اپنے بارے میں غور وفکر کرتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟مجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟میری زندگی کا کوئی تو مقصد ہو گا بالآخر جب وہ اس مقصد کو

42۔محمد اسلم صدیقیؒ،روح القرآن،ج:11،ص:207

43۔سورہ آل عمران،3 : 190،191

معلوم کرلیتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی خلا ہے۔ لہٰذا اس خلا میں انسانی اعمال کے نتیجے نکلنے چاہیں اور ہر انسان کو اس کی نیکی اور بدی کا بدلہ ملنا چاہیے، جو اسے دنیا میں اکثر و بیشتر نہیں ملتا، اس نتیجہ خیز زندگی کا علم ہوتے ہی انسان عذاب نار سے پناہ مانگنا شروع کر دیتا ہے، جیسا کہ غلام وارث رحمہ اللہ " فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ "کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس سلسلہ خیال سے اس کا ذہن عاقبت کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کے دل سے معاً یہ دُعا نکلتی ہے کہ خدایا ہمیں اس عذاب سے بچائیو جو کائنات کے بے مقصد سمجھنے والے اور باطل طریق پر زندگی بسر کرنے والے آدمی کو اخرت میں ذلیل کرے گا"[44]

انسان جب کائنات میں غور و فکر کرتا ہے تو لازمی طور پر اپنی ذات میں بھی جھانک کر دیکھتا ہے، جس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے، پھر وہ اس مقصد کے حصول کے کوشش کرتا ہے اور یہی کوشش اسے خالقِ کائنات سے رجوع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

۹۔روحانی تسکین

غور و فکر کا یہ بھی مقصد ہے کہ لوگوں کو اپنے اعمال اور ان کے نتائج پر سکون و اطمینان نصیب ہو، تا کہ وہ اپنی زندگی کو پر لطف اور کامیاب بنا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان وہ کام کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے کسی نتیجہ یا انجام تک پہنچاتا ہے۔ پھر یہ نتیجہ وانجام اس کے لیے اطمینان کا باعث بھی بنے گا یا نہیں تو اس کا فیصلہ غور و فکر کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے جو اس کو صحیح اور غلط میں فرق بتاتا ہے۔ جب اس عمل کا نتیجہ صحیح و درست ہو گا تو پھر عمل کرنے والا یقینی طور پر مطمئن ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غور و فکر کے بعد جو عمل کیا ان کے لیے اطمینان اور روحانی تسکین کا ذریعہ بنا، فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ[45] "اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھاتے تھے اور تا کہ وہ کامل یقین والوں سے ہو جائے"

44۔ غلام وارثؒ، تفسیر روح صدق، ج:1، ص:301

45۔ سورۃ الانعام، 75:6

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غور و فکر کے بعد ایک فیصلہ کیا کہ رب صرف اور صرف وہی ہوتا ہے جو کبھی غائب نہیں ہوتا جس کی قدرت کے کرشمے ہر شے میں دکھائی دیتے ہیں جس کا علم ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیے ہوا ہے۔اس لیے میں خود کو اسی کے سامنے اعمال صالح کے لیے پیش کرتا ہوں اور اسی میں اطمینان سمجھا، جیسے فرمایا:
وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[46]"اور میں اس سے کیسے ڈروں جسے تم نے شریک بنایا ہے، حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے جس کی کوئی دلیل اس نے تم پر نہیں اتاری، تو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حق دار کون ہے، اگر تم جانتے ہو"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا غور و فکر کے بعد ایک اللہ کی توحید پر قائم رہتے ہوئے اعمال صالح کرنا اور پھر اس پر اطمینان کا اظہار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ غور و فکر ہی وہ چیز ہے جو نتیجہ و انجام کو پر سکون اور اطمینان بخش بناتا ہے۔اس آیت میں { فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ } کی تفسیر کرتے ہوئے عبدالسلام بن محمد لکھتے ہیں کہ :

"کیا تم مشرکین، جو ان بتوں کے متعلق محض وہم پرستی کی راہ سے یہ سمجھ رہے ہو کہ شاید یہ نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں یا ہم خالص توحید پرست جنہیں یہ یقین و اطمینان حاصل ہے کہ اللہ ہی ہر نفع و نقصان پر قادر ہے"[47]

ایک شخص موحّد ہے، ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہی کل کائنات کا اکیلا مالک ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں، جبکہ دوسرا وہ ہے جو اللہ کے اقتدار و ختیار میں دوسروں کو شریک سمجھتا ہے تو یقیناً ان میں سے امن، چین، روحانی اطمینان اور حقیقی سکونِ قلب کا زیادہ حق دار تو وہی ہو گا جو ایمان والا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل حق اپنے اعمال پر مطمئن نظر آتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان غیر مطمئن ہے تو اسے اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیے کیونکہ ایمان والا شخص کبھی بھی اپنے نتیجہ و انجام پر پشیمان نہیں ہوتا۔بلکہ ایسا شخص تو موت کے وقت بھی نہایت مطمئن نظر آتا ہے، جیسے فرمایا:"قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ -بِمَا غَفَرَ لِىْ رَبِّىْ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ"[48]"اسے کہا گیا جنت میں داخل ہو جا۔اس نے کہا کاش میری قوم جان لے۔اس بات کو کہ میرے رب

46۔ایضاً،81:6
47۔عبدالسلام بن محمد، تفسیر القرآن الکریم، دارالاندلس، لیک روڈ چوبرجی، لاہور، پاکستان، 2010ء، ج:1، ص:560
48۔سورہ یٰسین، 36:27۔26

نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنادیا" اسی طرح فرمایا: "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ"[49] "بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر خوب قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاو جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے" پیر کرم شاہ الازھری رحمہ اللہ اس روحانی تسکین کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"اہل محبت جنت کے طلبگار نہیں ہوتے ، مہکتے ہوئے پھولوں ،لذیذ پھلوں ،مست خرام ندیوں اور آرام و آسائش کی تمنا ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں پاتی ،وہ تو صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کے متمنی ہوا کرتے ہیں"[50]

خلق میں تدبر و مشاہدہ اور غور و فکر انسان کو اس (stage) پر پہنچا دیتا ہے کہ وہ تختہ دار پر کھڑا ہو کر بھی مطمئن نظر آتا ہے اسے نہ تو فرعون کی دھمکیاں اللہ سے دور کر سکتی ہیں ،نہ نمرود کی آگ ایمان کو کمزور کر سکتی ہے،نہ مصر کی جیل اور عورتوں کے فتنے روحانی سفر کو روک سکتے ہیں،نہ امیہ کا ظلم بلال کی آواز کو دبا سکتا ہے،نہ اہل طائف کے پتھر اور نہ ہی اہل مکہ کی دشمنی مشن سے ہٹا سکتی ہے۔

سابقہ بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ قرآن کریم کا بنیادی موضوع انسان ہے اس لئے اس کی تمام تعلیمات میں خطاب بھی انسان سے ہے۔قرآنِ کریم پہلے خالقِ کائنات کی کاریگری کو خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے اور پھر اس میں تدبر و مشاہدہ کا حکم دے کر اسے خالقِ حقیقی کی پہچان کراتا ہے۔تاکہ انسان کائنات میں موجود ان خوبصورت مناظر پر غور و فکر کر کے حقیقت تک پہنچ سکے۔یقیناً اس عمل کی بدولت اب تک کئی لوگ اپنا تعلق اپنے خالق سے مضبوط بنیادوں پر استوار کر چکے ہیں۔تدبر و مشاہدہ کا عمل اس قدر اہم ہے کہ اس سے دوری قرآن کی سینکڑوں آیات کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔مفسرینِ قرآن نے ان آیات کی تفسیر میں تدبر و مشاہدہ کی افادیت کو واضح کر کے مخاطب کے لیے آسانی کا سامان پیدا کیا ہے۔تاکہ ہر انسان آسانی سے قرآن کے ان مقامات کو پڑھ کر ہدایت کی راہ اختیار کر لے۔تدبر و مشاہدہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے لئے فکری ارتقاء، عقائد میں پختگی، اصلاحِ نفس، دنیا کی بے

49۔ سورہ حٰم سجدہ، 30:41

50۔ محمد کرم شاہؒ، ضیاء القرآن، ج:5، ص:306

ثباتی، اخروی کامیابی کی تمنا، سیرت و کردار میں بہتری اور روحانی تسکین کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً انسان دین اسلام پر ایسی استقامت و بہادری سے قائم رہتا ہے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کی لیے مشعلِ راہ بن جاتا ہے۔

نتائج

۱۔ خالقِ حقیقی نے انسانوں میں فطری طور پر تدبر ومشاہدہ کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے۔

۲۔ تدبر ومشاہدہ انسانوں کی رہنمائی کا اطمینان بخش ذریعہ ہے۔

۳۔ اللہ کی وحدانیت اور قدرت کی پہچان کیلئے بھی مضبوط ذریعہ یہی تدبر ومشاہدہ ہے۔

۴۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے مناظر پیش کرتے ہوئے تدبر ومشاہدہ کی ترغیب بھی دلائی ہے اور پھر حقیقت تک پہنچنے کی واضح تعلیمات بھی دی ہیں تاکہ انسان اپنے دل میں مکمل اطمینان پاتے ہوئے نیکی کی راہ پر گامزن رہے اور دوسروں کیلئے بھی ترغیب کا باعث بنے۔

۵۔ تدبر ومشاہدہ سے نہ صرف ایمان مضبوط ہوتا ہے بلکہ اعتماد بھی حاصل ہوتا ہے جسکی بنیاد پر وہ دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہے اور سمجھنے سمجھانے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔

سفارشات:

۱۔ تدبر ومشاہدہ کی صلاحیت کو میں نے دعوت و تبلیغ کیلئے بہت مفید ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے جبکہ اس پر کچھ دوسرے پہلوؤں سے بھی تحقیق لوگوں کی عملی رہنمائی کیلئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

۲۔ دین کے معاملات کے ساتھ دنیا کے مسائل کے حل کیلئے بھی اس کی افادیت ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے راز افشاں کرنے کیلئے بھی اس صلاحیت کی کارگیری واضح ہونی چاہیے۔

۴۔ گمراہ کن نظریات کی پہچان اور ان سے بچنے کی صورتوں کی وضاحت کیلئے بھی تدبر ومشاہدہ کی افادیت کا بیان انسانیت کی بڑی خدمت ثابت ہو سکتا ہے۔